Fikr-o-Nasar (Islamabad) 6:12 (1969)

اسلام کا مالیاتی نظام

زکوٰۃ کی ادائیگی اور وصولی کا مسئلہ

محمد یوسف گورایہ

اسلام نے روحانی و مادی اقدار "عبادات و معاملات" کو ایک ہی مقام اور اہمیت دے کر تاریخ مذاہب عالم میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ اسلام کی نظر میں وہ شخص جو "معاملاتِ انسانی" کی حسن ادائیگی میں ایک خاص مقام رکھتا ہو، لیکن "عباداتِ الٰہی" میں قاصر ہو، ویسا ہی ہے جیسے ایک شخص عبادات کی حسنِ ادائیگی میں تو یدِطولےٰ رکھتا ہو، لیکن "معاملات" کی ادائیگی میں قاصر ہو، اسی وجہ سے قرآن مجید میں نماز کی حسنِ ادائیگی کا نتیجہ معاملات کی حسنِ ادائیگی قرار دیا گیا ہے۔ ان الصلوٰۃ تنہٰی عن الفحشاء والمنکر ۲۹:۴۵۔ درحقیقت، نماز کی حسنِ ادائیگی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نمازی کو تمام ان کاموں سے روک دیتی ہے، جن سے معاملاتِ انسانی میں فساد بپا ہوتا ہے اور جو فطرتِ انسانی کے خلاف ہوتے ہیں، اس کے برخلاف جس نمازی کے کردار سے معاملاتِ انسانی میں کوتاہی ہو، قرآن حکیم کے فیصلے کے مطابق ایسے نمازی کو اس کی نماز جہنم میں جانے سے نہیں روک سکتی ـــ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے معاملاتِ انسانی کو پسِ پشت ڈالنے والے نمازیوں کو، ان کی نمازوں میں مہارت تامہ کے باوجود جہنمی قرار دیا ہے، اور انتہائی غضبناک اور قہر آلود انداز میں سورہ الماعون میں ایسے نمازی کو دینِ الٰہی کا جھٹلانے والا قرار دیا ہے، اور اس مکذب بالدین نمازی کے خلاف فردِ جرم یہ لگائی ہے کہ وہ یتیموں کو نفرت و حقارت سے دھکے دیتا ہے۔ اور محتاجوں اور مساکین کو ذلیل کرتا ہے چنانچہ ایسے نمازیوں کے بارے میں فرمایا:۔ جہنم کا ایندھن ہیں وہ نمازی جو نمازوں کی ادائیگی کے باوجود اُن کے نتائج، معاملاتِ انسانی، کی ادائیگی سے بالکل بے خبر ہیں۔ وہ نمازوں کا محض ڈھونگ رچائے ہوئے ہیں اور محض ریا اور دکھاوے کی خاطر نمازی بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اُن کی عملی زندگی میں معاملاتِ انسانی کی ادائیگی کی انتہا یہ ہے کہ مال میں سے ایک حصہ مستقل طور پر یتیموں اور مسکینوں کی بہتری و بھلائی کی خاطر خرچ کرنا تو درکنار، روزمرہ کی ضرورت کی اشیاء محض عاریتاً" دینے سے بھی انکار کر دیتے ہیں۔

خلیفۂ اول نے عبادات و معاملات میں تفریق کرنے پر اس طرح تنبیہہ کی تھی:۔ واللہ لاُقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ ۔ اللہ کی قسم جو لوگ عبادات و معاملات (صلوٰۃ و زکوٰۃ) میں فرق کرتے ہیں میں اُن کے خلاف جہاد کروں گا۔ (صحیحین)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے عبادات و معاملات کے، اجر و ثواب اور اہمیت و مقام کے لحاظ سے برابر ہونے کو ایک بڑے حکیمانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ صورتِ حال یہ ہے کہ جزیہ والی زمین مسلمان کے لئے جائز نہیں، اس لئے کہ ایسا کرنے سے اُس دَور کے معاشی و اقتصادی نظام میں زبردست بُحران کا خطرہ پیدا ہو سکتا تھا، اور اس اعتبار سے یہ معاملہ معاملاتِ انسانی کو درہم برہم کرنے کا سبب بن سکتا تھا، چنانچہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں:۔

"کیا میں تمہیں ایسے شخص کے بارے میں اطلاع نہ دوں جس نے اسلام قبول کیا لیکن اس کے بعد اُلٹے پاؤں کفر کی طرف پلٹ گیا؟ ۔ یاد رکھو یہ وہ شخص ہے جو اسلام قبول کرنے کے بعد نہایت حسن و خوبی سے اسلام پر کاربند رہا۔ پھر اس نے اسلام کی خاطر ہجرت کی، اور ہجرت کے دشوار گذار مرحلہ سے بھی نہایت عمدگی سے گذر گیا۔ پھر جہاد کا وقت آیا تو اس میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور خوب کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ لیکن یہ سب کچھ کر چکنے کے بعد پھر اس نے جزیہ والی زمین کا بار اپنے اوپر ڈال لیا۔ چنانچہ یہی وہ شخص ہے، جو اُلٹے پاؤں کفر کی طرف پلٹ گیا"۔ (ابو عبید، حصہ اول ص ۲۱۱)

اب غور کیجئے کہ اسلامی تعلیمات نے صحابہ کرامؓ میں عبادات و معاملات کے اندر توازن کا کتنا زبردست احساس پیدا کر دیا تھا۔ اور جہاں کہیں وہ معاملاتِ انسانی میں عدم توازن دیکھتے، وہ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں مہارتِ تامہ اور باقاعدگی و مواظبت کے باوجود جہنم کی وعید کا فتویٰ دیتے۔ اور ان کے نزدیک عبادات و معاملات میں افراط و تفریط کرنے والا کتنا بڑا مجرم قرار پاتا

اسلام کی اِنھیں جامع تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ مسجد نبوی جس طرح صحابہ کرامؓ کے لئے نماز کی ادائیگی کے لئے اجتماع گاہ تھی، اسی طرح معاملات انسانی کے طے کرنے کے لئے بھی یہ ان کے جلسہ گاہ کا کام دیتی تھی۔ یہاں تک کہ "الصلوٰۃ" اور "الصلوٰۃ جامعۃ" کی اصطلاحات صحابہ کرام کے لئے اتنی معروف تھیں کہ جس طرح "حي على الصلوٰۃ" کی پکار پر مسلمانانِ مدینہ عباداتِ الٰہی کی ادائیگی کے لئے مسجد نبوی کا رُخ کرتے تھے، اسی طرح "الصلوٰۃ جامعۃ" کی آواز پر وہ معاملاتِ انسانی پر بحث و مباحثہ اور ان کے طے کرنے کے لئے مسجد نبوی میں جمع ہوتے تھے۔ حضرات صحابہ کے لئے معاملاتِ انسانی کا عدل و انصاف کے ساتھ طے کرنا اور اس کے لئے جمع ہونا اور عباداتِ الٰہی پر باقاعدگی اور پابندیِ وقت کے ساتھ مواظبت کرنا اجر و ثواب میں برابر تھا اور دونوں میں سے کوئی اجر و ثواب کے اعتبار سے ایک دوسرے پر فوقیت نہیں رکھتا تھا

صحابہ کرام کا یہ کردار دراصل قرآن حکیم کی تعلیمات کا آئینہ دار تھا۔ اسلام سے قبل یہودیوں نے دین کو محض قانون بنا دیا تھا، جس کی وجہ سے وہ قرآنی فیصلے کے مطابق غضبِ الٰہی کے مستحق ٹھہرے۔ اور عیسائیوں نے دین کو محض عبادات کا مجموعہ قرار دے لیا تھا جس کی وجہ سے وہ گمراہ قرار پائے (غیر المغضوب علیھم والضالین)۔ اسلام نے اس افراط و تفریط میں متوازن اور محتاط صراطِ مستقیم یہ نکالی کہ عبادات و معاملات دونوں برابر ہیں۔ ان میں سے کسی ایک میں مہارت پیدا کرنا یہودیت یا عیسائیت کا احیاء کرنا ہے۔ اور یہ بات اسلام کی تعلیمات کے سراسر منافی ہے۔ اسلام میں جامعیت ہے۔ اور اجر و ثواب ہو یا نجات و کامیابی، اس کا دار و مدار دونوں پہلوؤں میں توازن پر ہے۔ جس فرد یا جماعت یا قوم میں ان دونوں کا زیادہ سے زیادہ توازن ہوگا وہ اللہ و رسولؐ اور دین و دنیا اور دنیا و آخرت سب میں کامیاب اور کامران، اور ان میں عدم توازن کی صورت میں ہر اعتبار سے ناکام و خاسر۔

اسلامی تعلیمات کی یہ جامعیت صدیاں گزرنے کے بعد افراط و تفریط کا شکار ہوگئی۔ اور اب بدقسمتی سے اسلام محض چند رسمی عبادات کی ادائیگی کا نام رہ گیا ہے۔ اسلام کے ساتھ اس بے وفائی اور بدعہدی کا نتیجہ یہ ہے کہ خود مسلمان یہاں تک کہنے لگے ہیں کہ اسلام میں اقتصادی و معاشی زندگی کے لئے کوئی رہنما اصول موجود نہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اسلام کے "معاملاتی" پہلو کا بالتفصیل جائزہ لیا جائے۔ اس کی جامعیت اور ہمہ گیریت پر کثرت سے لکھا جائے تاکہ اسلام ایک عالم گیر متحرک اور قابلِ عمل دین کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آسکے۔ اور روحانیت و مادیت کے موجودہ بحران میں اہلِ عالم کی پوری پوری رہنمائی کر سکے۔

ہم اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت و تشریح کے لئے اس وقت بحث کو صرف اسلام کے مالی و معاشی نظام تک محدود رکھیں گے اور بیشتر مثالیں معاملات کے اسی پہلو سے پیش کریں گے۔

ابتدائے اسلام میں اسلام کا مالیاتی نظام، عام طور پر دو مدّوں پر مشتمل تھا، ایک زکوٰۃ اور دوسرے فئے، مسلمانوں کی طرف سے تمام مالی واجبات کا عام طور پر مجموعی نام زکوٰۃ تھا اور غیر مسلم رعایا کی طرف سے تمام مالی واجبات کا عمومی نام فئے تھا۔ ذیل میں ہم اس مالیاتی نظام کا مختصر سا مطالعہ پیش کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ اسلامی تعلیمات میں، زمانے کے مسلسل تغیر پذیر حالات کا مقابلہ کرنے کی پوری پوری قوت موجود ہے۔

مملکتِ اسلامی کے بیت المال (STATE TREASURY) کی مدِّ اوّل، نظامِ زکوٰۃ، قرآن حکیم کی اس آیت پر مبنی ہے :-

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (۹: ۶۰)

آیت کریمہ میں لفظ زکوٰۃ کے بجائے صدقات استعمال ہوا ہے، لیکن چونکہ آیت کے آخر میں ان صدقات کو فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ اللہ کی طرف سے فریضہ، قرار دیا گیا ہے، اس لئے قرآن نے مسلمانوں سے جس مالی مطالبے کا بتکرار ذکر، زکوٰۃ کے نام سے کیا ہے، اُسے ان صدقات کے مترادف قرار دے کر اُن صدقات کو زکوٰۃ قرار دے لیا گیا ہے، مذکورہ آیت میں زکوٰۃ کے مصارف پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بعثتِ رسول صلعم سے لے کر، اس آیت کے نزول تک مکی اور مدنی دور میں جن جن مدّوں پر مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر مال خرچ کرنے کی ترغیب دی جاتی رہی، ان سب مدّوں کو، دو ایک مدّوں کے اضافے کے ساتھ، اس آیت میں یکجا بیان کر دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم کے اس بیان سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیت کے نزول سے قبل قرآن مسلمانوں کو جس انفاق کی ترغیب دیتا تھا، اب اس سے اس کی ادائیگی تطوعاً (رضاکارانہ) نہیں رہی تھی، بلکہ ایک فریضہ کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ دوسرے یہ کہ اس فریضہ کی ادائیگی کی حیثیت اب انفرادی کے بجائے اجتماعی ہو گئی تھی۔ یعنی جس طرح یہ مالی فریضہ ادا کئے بغیر چارہ نہیں، اسی طرح اس فریضہ کی ادائیگی، ادا نہ ہونے کے برابر ہے، جب تک کہ مسلمانوں کی حکومت کی موجودگی میں زکوٰۃ حکومت کو ادا نہ کی جائے۔

نظامِ زکوٰۃ کے یہ دونوں اہم ترین پہلو اسلام کے تدریجی اور ارتقائی مزاج کا منطقی نتیجہ تھے جس طرح زکوٰۃ کے علاوہ اسلام کے باقی فرائض بتدریج عہدِ رسالت کے حالات کے مطابق اپنی تکمیل کو پہنچے اور اس تکمیلی صورت نے، پہلے کی تدریجی منازل و مراحل کو تطوعاً (رضاکارانہ) کی حیثیت دے کر، خود حکم و قانون کی شکل اختیار کر لی۔ اور نتیجۃً خدا اور رسول صلعم کی طرف سے ان فرائض کی ادائیگی کا صاف اور سیدھا مطالبہ اِن فرائض کو اِن کی آخری قانونی شکل میں ادائیگی تھا، اسی طرح نظامِ زکوٰۃ بھی اپنی تدریجی منازل طے کرنے کے بعد جب قانونی شکل اختیار کر گیا، تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے اس حق "اٰتُوا الزَّكٰوةَ" کا مطلب صاف اور واضح الفاظ میں یہی تھا کہ زکوٰۃ حکومت کو ادا کرو، اور زکوٰۃ کی

اس قانونی حیثیت نے اپنے قبل کے مالی مطالبات کو رضاکارانہ طور پر خرچ کرنے کے لئے باقی رہنے دیا۔

قرآن حکیم کی تعلیمات پر مبنی اس نظام زکوٰۃ کا یہ پہلو ہمیشہ سے متفق علیہ رہا ہے کہ زکوٰۃ اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے، جسے ہر صاحب نصاب مسلمان کو اپنے مال سے ادا کرنا ہے۔ لیکن اس کے اس پہلو پر کہ زکوٰۃ کی ادائیگی حکومت کی بجائے افراد یا جماعتوں کو ادا کرنے سے ہو جاتی ہے، نظام زکوٰۃ پر دو کڑی آزمائشیں آئیں۔ چونکہ یہ دونوں آزمائشیں تاریخی اعتبار سے "خیر القرون" میں پیش آئیں، اس لئے نظام زکوٰۃ کے اس پہلو پر ان آزمائشوں کے جو نتائج و اثرات مترتب ہوئے "خیر القرون" کے بعد کے مسلمانوں کے لئے زکوٰۃ کے اس پہلو کو سمجھنے کے لئے انتہائی فیصلہ کن ثابت ہوئے۔ نظام زکوٰۃ کے اس پہلو پہ پہلی آزمائش تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس وقت پیش آئی جب بعض مسلمان عرب قبائل نے باقی ارکان دین ——— نماز، روزہ، حج وغیرہ ——— تو ویسے ہی ادا کرتے رہنے کا یقین دلایا، لیکن زکوٰۃ حکومت کو ادا کرنے کی بجائے اپنے طور پر جمع و خرچ کرنے کی تجویز پیش کی، جو دراصل نظام زکوٰۃ میں، جو اللہ اور رسول اللہ صلعم کی تعلیمات پر مبنی تھا، ایک ترمیم کے مترادف تھی۔

تاریخ اسلام پر نظر رکھنے والے اس بات سے پوری طرح آگاہ ہیں کہ داخلی و خارجی طور پر جو خطرات اس وقت اسلام کو درپیش تھے، ان کے پیش نظر یہ وقت حکومت مدینہ کے لئے کتنا نازک تھا، اس کی نزاکت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر انسان بھی خلیفۂ وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کو یہ مشورہ دینے پر مجبور ہوئے کہ ہنگامی حالات کے سدھرنے تک زکوٰۃ کی ادائیگی کو جماعتی یا قبائلی سطح تک تسلیم کر لیا جائے، لیکن خلیفۂ رسول صلعم، جناب صدیق اکبرؓ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس نازک وقت پر بھی نظام زکوٰۃ کے قانونی حیثیت اختیار کر لینے کے بعد، اسے دوبارہ افراد کے ہاتھوں میں دینے پر رضامند نہ ہوئے، اور پوری استقامت اور جرأت ایمانی کے ساتھ اعلان فرمایا۔

"اگر ان لوگوں نے اس نظام زکوٰۃ میں رتی بھر رد و بدل کرنے کی کوشش کی، اور جو کچھ یہ لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ادا کرتے تھے، اس میں سے مجھے اونٹ کے پاؤں میں باندھی جانے والی ایک رسی بھی دینے سے انکار کیا تو میں ان کے خلاف بحیثیت سربراہ مملکت اسلامی جہاد کروں گا۔"

(ابو یوسف، کتاب الخراج، باب زکوٰۃ)

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفۂ اوّل نے نظامِ زکوٰۃ میں پیدا ہونے والے سب سے پہلے فتنے کا پوری جرأت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ دلائل و براہین کے ساتھ نظامِ زکوٰۃ کے اس پہلو کی وضاحت فرمائی۔ اور واضح اور صاف صاف الفاظ میں بتایا کہ مسلمانوں کی حکومت کی موجودگی میں کسی فرد یا جماعت یا ادارے یا مدرسے کو یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ حکومتِ اسلامی کے اس اہم ترین رکن کا خود انفرادی یا جماعتی یا قبائلی طور پر انتظام کرے۔ خلیفۂ اوّل کی اسلام فہمی، جرأتِ ایمانی اور استقامت نے دوسرے صحابہ کو بھی ان کے نقطۂ نظر کا قائل کر دیا، اور پھر تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ جو فرد یا قبیلہ یا جماعت حکومت کی موجودگی میں افراد یا جماعتوں یا اداروں کو زکوٰۃ دے۔ یا افراد یا جماعتیں یا ادارے حکومت کی اجازت کے بغیر خود عامۃ المسلمین سے زکوٰۃ وصول کریں، تو ایسی صورت میں زکوٰۃ وصول کرنے والے اور زکوٰۃ ادا کرنے والے سب حکومت کے باغی قرار پائیں گے، اور اُس وقت کی مسلمان حکومت کا فرض ہوگا کہ ایسے افراد کو حکومت کا باغی قرار دے کر ان کے خلاف جہاد کا اعلان کرے۔ ان کے خلاف یہ جہاد اس وقت تک جاری رہے گا، جب تک یہ لوگ زکوٰۃ حکومت کو دینے کا اعلان نہ کر دیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ کی سرکردگی میں تمام صحابہ کرامؓ نے اس متفقہ فیصلہ پر عمل کیا اور حکومت کو زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو باغی قرار دے کر ان کے خلاف جہاد کا اعلان کیا۔ اور یہ جہاد اپنی اہمیت اور اجر و ثواب میں کفر و شرک کے ساتھ جہاد کرنے سے کسی طرح بھی کم نہ تھا۔ حکومتِ مدینہ نے اپنے تمام وسائل کے ساتھ پوری طاقت زکوٰۃ حکومت کو ادا نہ کرنے والے باغیوں کے خلاف استعمال کر کے اس وقت تک چین نہ لیا، جب تک کہ ان باغیوں کی کمر نہ ٹوٹ گئی اور خدا اور رسول صلعم کی منشار کے مطابق انہیں مجبور نہ کر دیا کہ وہ زکوٰۃ حکومت کو ادا کریں۔ اس جہاد میں باغیوں کی ہر قوت کا مقابلہ کیا گیا اور ان کی مادی اور دوسری قوتیں بے کار کر کے رکھ دی گئیں۔ باغیوں نے ایک دلیل یہ پیش کی کہ اللہ کا حکم ہے: خذ من اموالھم صدقۃ (۹ : ۱۰۳) جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حکم صرف آنحضرت صلعم کی زندگی تک محدود تھا۔ اور آپؐ کی وفات کے بعد یہ حکم عملاً منسوخ ہو گیا۔ صحابہ کرامؓ نے اس دلیل کو رد کرتے ہوئے بتایا کہ باغیوں کا نقطۂ نظر غلط ہے۔ اور قرآن کی اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آنحضرت صلعم کی وفات پر یہ حکم منسوخ ہو گیا، بلکہ "خُذ" میں جس حکم کی تاکید کی گئی ہے، اس سے مراد مسلمانوں کی حکومت کا سربراہ ہے۔ اور جو بھی مسلمانوں کی حکومت کا سربراہ ہوگا، یہ حکم الٰہی اس کے لئے ہوگا، اور اس حکومت کے تابع تمام مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ مسلمان حکومت

کو رسول اللہ صلعم کا نائب سمجھ کر زکوٰۃ اُسے ادا کریں۔ (فتح الباری ۳: ۲۲۲ مطبع خیریہ ۱۳۱۹ھ)

نہ صرف یہ کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم متفقہ طور پر اس فیصلے پر پہنچے، بلکہ خود سرورِ کائنات نے بھی خُذ مِنْ اَمْوَالِہِمْ صَدَقَۃً (۹: ۱۰۳) کی یہ تفسیر فرمائی تھی۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضورؐ نے اس کی شرح یوں فرمائی: تُوخَذُ مِنْ اَغْنِیَاءِھِمْ فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَاءِھِمْ (فتح الباری ۳: ۲۲۲) (زکوٰۃ مسلمانوں کے مالدار طبقوں سے لے کر ان کے پست حال طبقوں میں پلٹا دی جائے گی)۔ ظاہر ہے اس شرح و تفسیر کا مفہوم اتنا عام اور اتنا جامع ہے کہ اس سے صرف رسول اللہ صلعم مراد لینا انتہائی کم فہمی ہوگی۔ اور اسی طرح اس سے صرف عہدِ رسالت مراد لینا، اور بعد کے سربراہانِ مملکت کو خارج کرنا بھی اتنی ہی کم فہمی ہوگی۔

شارح صحیح بخاری حافظ ابن حجر العسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں جو کچھ لکھا ہے، اس مضمون کی وضاحت کے لئے انتہائی جامع اور فیصلہ کُن ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:۔ استدل بہ علی ان الامام ھو الذی یتولی قبض الزکاۃ وصرفھا اما بنفسہ واما بنائبہ فمن امتنع منھم اخذت منہ قہراً۔ (فتح الباری ۳: ۲۳۱)۔

اس حدیث سے اس بات کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ زکوٰۃ کی وصولی کا حق اور اس کے خرچ کا انتظام سربراہِ مملکت کا کام ہے، وہی اس کا نگران اور ذمہ دار ہوگا۔ سربراہِ مملکت اپنا یہ حق یا تو بذاتِ خود استعمال کرے گا یا وہ اپنے نائبین کے ذریعے اس کا انتظام کروائے گا۔ اور اگر مسلمانوں کی حکومت کی موجودگی میں کوئی شخص یا طبقہ حکومتِ وقت کا یہ حق ادا کرنے سے گریز کرے یا اپنے طور پر استعمال کرے اور حکومت کو زکوٰۃ ادا کرنے کے راستے میں آڑے آئے تو ایسی صورت میں حکومت کو پورا اختیار ہوگا کہ وہ ایسے افراد، اداروں یا انجمنوں کا پوری طاقت و قوت کے ساتھ مقابلہ کرے اور ان کی کمرِ ہمت توڑ کر بالجبر زکوٰۃ وصول کرے ــــــــ ایک دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔ مَنْ مَنَعَ مِنَّا الزکوٰۃ فانا ناخذھا منہ (مختصر کتاب العالم والمتعلم لابی بکر محمد بن عمر الترمذی ص۵) (جو کوئی ہم (حکومت) سے زکوٰۃ روکے گا یا حکومت کی زکوٰۃ کی وصولی میں مزاحم ہوگا ہم اس سے (بالجبر) وصول کر کے رہیں گے۔)

(مسلسل)